14
AUGUST
جشن آزادی مبارک
HAPPY INDEPENDENCE DAY
خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ
سسپنس ڈائجسٹ
اگست 2019
بانی
معراج رسول
صفحات 290
قیمت 100 روپے

CPNE
MEMBER APNS

مدیرِ اعلیٰ
عذرا رسول

مدیرہ یمنیٰ احمد
نائب مدیر اطہر حسین

مینجر اشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن مینجر
سید منیر حسین
0333-3285269

انشائیہ 07
جون ایلیا
سالوں پہلے لکھے گئے لفظوں کی اہمیت، جو آج بھی پورے اترتے ہیں

آپ کے خط 08
مدیر اعلیٰ
سسپنس کی مجلس مشاورت و قارئین کی تلخ و شیریں باتیں گلے شکوے اور پرخلوص مشورے

آخری خلش 14
زویا اعجاز
ماضی کا آئینہ۔ بااختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز اور عبرت آمیز واقعات

بلائے جان 43
احمد سلیم سلیمی
ناقابل یقین حالات و واقعات کا شکار......ایک مسیحا کے دل کا احوال

مدد 57
تنویر ریاض
خون کے رشتے سے فرار ہونے والے ماں اور بیٹے کا قصہ

رنگ آسماں 66
اے آر راجپوت
مشرق و مغرب کے عجب امتزاج اور تاریخی خوں خیزیوں کے عبرت اثر اشاروں میں لہراتی دلچسپ داستان

تجدید عہد 89
تنویر ریاض
تجدید تعلق کی حیرت انگیز مثال قائم کرنے والے ایک مجرم جوڑے کا انجام

حاصل وصول 100
ملک صفدر حیات
معصوم لوگوں کی معصومیت سے کھیلنے والے شیطان کا قصہ

دو چہرے 133
علی اختر
ظلم کا مقابلہ کرنے والی ایک ظالم حسینہ کی کارفرمائیاں

سیر کو سواسیر 145
نادیہ نور
پولیس اور سراغ رسانوں کو حیران کرنے والے ایک ہنرمند کی دلیری

جلد 48 • شمارہ 08 اگست 2019 • زرِ سالانہ 1200 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 100 روپے •
خط کتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 215 کراچی 74200 • فون: 35896313 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

محفلِ شعر و سخن — 152
قارئین
آپ کے ہاتھوں میں بھی ایک انجمن رنگ رنگ
آپ کی پسند آپ کے ذوق سے ہم آہنگ

دشمن دوست — 155
اعتزاز سلیم وصلی
دشمن کے ہاتھوں کھلونا بن جانے
والے دوست کا جارحانہ انداز

آنکھوں کے چراغ — 163
ڈاکٹر شیر شاہ سید
دلکش آنکھوں میں بسی
محرومیوں کا قصہ

وقت — 168
حسام بٹ
ایک عزم بازی گر کی بازی گری...... سنسنی
خیز واقعات پر مشتمل ایک طویل داستان

کاش — 209
احمد جعفری
آزاد معاشرے میں قید
ہو جانے والی من موہنی حسینہ کا انجام

فن کار — 215
اسد اللہ امجد
آنکھوں میں مرچ
جھونکنے کا دلچسپ قصہ

مات — 217
عبدل جی
ایک نئی سوچ کو ابھارنے اور چونکا
دینے والے موضوع کا دلچسپ احاطہ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ — 227
رضوانہ ساجد
اللہ کے نبی کو مہمان بنانے والے
ایک مہربان انسان کا قصہ

اعتبار — 237
ناہید سلطانہ اختر
صحیح وقت پر غلط فیصلہ
کرنے والوں کا سبق آموز انجام

پسِ پردہ — 256
طاہر جاوید مغل
انجانی نفرتوں میں پناہ تلاش کرنے والے اس جوڑے
کی کہانی جو..... اپنوں کے اصل روپ سے بے خبر تھا

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

بیرون ممالک مقیم اُردو صارفین ہر ماہ اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ بذریعہ ای میل پی ڈی ایف فارمیٹ میں حاصلکریں

تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں۔

urdusoftbooks@gmail.com urdusoftbooks.com

یہ سروس بذریعہ پے پال مناسب قیمت پر دستیاب ہوگی

بذریعہ ای میل رابطہ کرنے کے لیے یہاں کلک کریں

انشائیہ

جون ایلیا

آزادی

وقت نے بہت سے دشمنوں کو دوست بنایا ہے اور بہت سے دوستوں کو دشمن۔ سیاسی اور اجتماعی حکمتِ عملی کے تقاضے حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ سیاسی اور اجتماعی حکمتِ عملی تو کیا، خود کائنات ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ یونان کے عظیم ترین فلسفی ہرقلیطاس نے کہا ہے کہ آپ ایک دریا میں دوبار پاؤں نہیں ڈال سکتے۔ ہرقلیطاس نے جو بات کہی ہے وہ اپنی جگہ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ آپ دریا میں ایک بار بھی پاؤں نہیں ڈال سکتے۔ اس لیے کہ آپ جس لمحے دریا میں پاؤں ڈال رہے ہوں گے، اس لمحے کے لاکھویں حصے میں دریا یکسر بدل چکا ہوگا۔

آج کا دشمن آنے والی کل کا بہترین دوست اور آج کا دوست آنے والی کل کا بدترین دشمن ثابت ہوسکتا ہے۔ جو لوگ حقیقت کو چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ایک ٹھہرا ہوا پانی سمجھتے ہیں، ان کی رگوں میں جو ہڑ سڑتے ہیں اور ان کے سانس زندگی کی زندگی پرور فضا میں زہر پھیلاتے ہیں۔

ہمارے عہد کی دشمن ترین قومیں آج ایک دوسرے سے افہام و تفہیم کی دانشمندانہ حالت میں گفتگو کررہی ہیں۔ تاریخ سیاست کے وقتی رویوں سے کہیں بڑی حقیقت ہے۔ تاریخ عظیم اور جلیل وقت کی نمائندگی کرتی ہے اور تاریخ کے حساب سے پچاس ساٹھ برس لمحوں کے ٹھٹول سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ قوموں کو تاریخ کا اور تاریخ کی خلاق حرکیت کا پوری طرح احترام کرنا چاہیے اور اس کی عظمت کو سلام کرنا چاہیے...... مؤدبانہ سلام۔ جو قومیں تاریخ کے شعور کا ثبوت دینے میں ہچکچاہٹ سے کام لیں گی، وہ اپنے قتل نامے کے ''محضر'' پر مہر ثبت کریں گی۔ زندگی کی تمام حقیقتوں کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے لیکن تاریخ، پُرجلال تاریخ کے تقاضوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ کے تقاضوں کو نظرانداز کرنے کی جو بھیانک سزا بھگتنی پڑتی ہے، اسے ہم میں سے بہت سے لوگ جانتے ہیں۔

پاکستان اور ہندوستان گزشتہ کئی ...... برس سے باہمی دشمنی کو اپنا اخلاقی اور سیاسی فرض سمجھتے رہے ہیں۔ تاریخ سے مخول کرنا ان کی عادت بن چکا ہے۔ ہمیں اپنے نقطۂ نظر کے صحیح ہونے پر ہرگز کوئی اصرار نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کی باہمی دشمنی ہی ان دونوں کے پیچیدہ ترین مسئلوں کا حل ہو لیکن میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور وہ سوال یہ ہے کہ کیا آپ دونوں کی باہمی دشمنی نے آپ کے پیچیدہ ترین مسئلوں کو حل کیا ہے یا انہیں اور پیچیدہ تر بنادیا ہے؟ اگر آپ ہمارے اس سوال کا جواب دینے سے گریز کرتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے اس سوال کا خود ہی جواب دینا ہوگا اور وہ جواب یہ ہے کہ آپ ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں بلکہ دردناک حد تک خود اپنے دشمن ہیں، آپ دونوں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے جس سمت میں چلتے اور آگے بڑھتے رہے ہیں اس سمت کی ہوا میں آپ کے سانسوں کے لیے زہر ہی زہر ہے۔

سمت کے لفظ پر خیال آیا کہ نفرت اور خونریز عداوت اور تباہ کن خیالوں اور رویوں کا سارا کھیل شمال کے آسمان کے نیچے اور شمال کی زمین کے اوپر کھیلا جاتا رہا ہے۔ دوسری سمتوں کا عیب و ہنر تو بس یہ تھا کہ وہ تھیں اور یہ ہے کہ وہ ہیں۔ ان سمتوں کو یہ بات سن کر ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کی ''اہمیت'' کو نظرانداز کیا جارہا ہے، یہ تو ایک اور ہی بات ہے جو نہایت آرٹ کے ساتھ کہی جارہی ہے۔

آسمانِ شام کے پرندے شمال کی طرف پرواز کررہے ہیں اور میں اسلام آباد، دلّی، لاہور اور لکھنؤ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر ان پرندوں کے پروبال پر کیا گزرتی ہے؟ ہمیں بتایا جانا چاہیے کہ آخر کیا گزرتی ہے ان پرندوں کے پروبال پر اور ان کے ساتھ دوسری سمتوں کی طرف پرواز کرنے والے پرندوں کے پروبال پر؟

ہم بہت سوچتے ہیں مگر کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمارے بزرگوں نے انگریزی سامراج کی پتھریلی چوٹی سے آخر کیوں ٹکرلی تھی۔ انہوں نے اس سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے لیے کیوں اپنا لہو بہایا تھا، کیوں اذیتیں اٹھائی تھیں اور کیوں عذاب بھگتے تھے، کیا یہ وہی آزادی تھی جس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں؟......

****

عزیزانِ من!
السلام علیکم!

اگست 2019ء کا شمارہ باذوق قارئین کی نذر ہے۔ تمام اہالیانِ وطن کو جشنِ آزادی بہت مبارک ہو۔ 14 اگست یوم پاکستان...... ہماری آزادی، ہمارے فخر اور غیر قوم کے ظلم وستم سے ہماری نجات کا خوبصورت دن...... جسے ہم بہت شوق اور مان سے مناتے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ مناتے رہیں گے مگر...... فقط اس ایک دن کے ذرا پس منظر میں جھانکیں تو احساس ہوگا کہ آج معیشت کے لحاظ سے مالی خساروں اور بااختیار طبقے کے جھوٹے نعروں کی چکی میں پسنے والی یہی پاکستانی قوم اس وقت کتنے مشکل دور سے گزر رہی ہے جس کا کوئی پُرسانِ حال بھی نہیں ہے...... جناب حالیہ بجٹ کے بعد ذرا اپنے دل کا حال اور سانسوں کی رفتار تو بتایئے کہ کیا کچھ گزر گیا لیکن ہم پھر بھی اس بااختیار طبقے کے صد شکر گزار ہیں کہ کم وبیش ہر شے پر ٹیکس لگا دیا مگر...... جو چیز زندگی کے لیے سب سے اہم اور قیمتی ہے اسے شاید غلطی سے چھوڑ دیا اور وہ ہے ''آکسیجن۔'' غضب سا کوئی غضب ہے کہ جہاں روزگار نہیں...... بجلی پانی...... صحت کے ادارے فعال نہیں...... ڈاکٹر اور دوائیں میسر نہیں...... تعلیمی صورتِ حال اطمینان بخش نہیں...... اسکول کی فیسیں، یونیفارم اور کورسز کی قیمتوں...... یوٹیلٹی بلوں...... کرایوں اور اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافہ...... اللہ معافی۔ جب ٹیکسز کی بھرمار سے تاجر برادری اور صنعت کار تک گھبرا گئے تو بیچارے غریب کیا کریں گے۔ ان فیصلوں سے منافع خور تاجروں نے بھی ٹیکسوں اور حکومت کی نافذ کردہ مہنگائی سے خوب فائدہ اٹھا کر قیمتوں میں ازخود مزید اضافہ کر دیا ہے۔ جہاں معاشی آسودگی نہیں، وہاں ذہنی سکون نہیں...... اور جہاں ذہنوں کی حالت ابتر ہو وہاں معاشرتی ماحول بدر جہا ابتر...... غلط راستوں کی جانب تو اقتدار والے ہنرمند کو خود دھکیل رہے ہیں...... یہ کیسے خوشحال پاکستان کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ کاش کوئی حکمران تو ایسا ہو جو ان تکلیفوں کا بھی احساس کرلے۔ اسے بھی ادراک ہو جائے کہ چھوٹی چھوٹی دکانوں اور ریڑھیوں سے کمانے والے چھوٹے موٹے کاروبار اور بڑے بڑے خاندانوں کو چلانے والے جب محدود آمدنی بھی کمانے کے قابل نہ رہ پائیں گے تو ان کے خاندانوں کا کیا حال ہوگا۔ کرائے داروں پر کیا گزرے گی۔ یہی چھوٹے چھوٹے مسائل اکثر زندگیوں کا روگ بن جاتے ہیں جن کا شکار ہو کر انسان یا تو غلط راستے کا انتخاب کرتا ہے یا پھر موت کو ترجیح...... خدارا سانس لینے کے لیے کوئی دریچہ، کسی کھڑکی کو تو کھلا چھوڑ دیجیے...... اور سوچیے کہ اپنے ملک میں امن وامان اور عوام کو مطمئن اور خوشحال کرنے کے لیے کیا کیا پالیسیز اختیار کی جا سکتی ہیں۔ ورنہ موجودہ صورتِ حال تو مرے پر سو دُرّے زیادہ والی بات ہو گئی...... بوجھل دل اور بے شمار فکروں کے درمیان دعا کرتے ہیں کہ اس جشنِ آزادی کے موقع پر بے چارے عوام پر سے ناحق ٹیکسز کا عذاب ختم کر دیا جائے اور اب ذرا سا وقت نکالتے ہیں اپنی محفل کے لیے۔

✠ ام عبداللہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی سے محفل کی رونق بنی ہیں ''میرے پیارے پاکستان کو رب قدیر جل جلالہ تا ابد قائم ودائم اور شاد آباد رکھے۔ اسے شریوں کے شر، حاسدوں کے حسد اور دشمنوں کی میلی نظر سے بچائے۔ اس کے چپّے چپّے کو امن کا گہوارہ بنا دے، آمین۔ پیاری عذرا باجی! پیاری یمنیٰ بہن اور آپ کے ادارے سمیت تمام قارئین کو بھی پاکستان کی 72ویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ رب کریم جل شانہ اس میں اپنی جانوں کا نذرانہ اور قربانیاں دینے والے تمام مسلمانوں پر اپنی رحمت فرمائے۔ آمین۔ میری پیاری اور محترم عذرا رسول باجی! معراج رسول صاحب کی وفات کی خبر مئی 19ء کے شمارے میں پڑھی...... چونکہ اپنی ذاتی مصروفیت کی بنا پر مارچ واپریل 19ء کے شمارے نہ پڑھ سکی تھی اس لیے دیر سے پتا چلا۔ پیاری عذرا باجی، اللہ تعالیٰ آپ کو بلند ہمتی، ثابت قدمی اور درازیٔ عمر بالخیر عطا فرمائے اور معراج بھائی کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ پیاری باجی اگر آپ ہمیں بھی کہتیں تب بھی ہم معراج بھائی کو ایصالِ ثواب کے تحفے بھیجتے اور بھیجتے رہیں گے انشاء اللہ عزوجل۔ اس بارے میں آپ بے فکر ہو جائیں۔ خوبصورت سرورق اور ''تھر'' کی سانولی سلونی سی الھڑ دوشیزہ، عید کے کام کاج سے تھک کر کھڑے کھڑے ہی ستا رہی ہے۔ انشائیہ تخول۔ ۲ پُر مغز رہا۔ اداریہ بھی خدا لگتی بات کہہ رہا تھا مگر...... اس نقار خانے میں طوطی کی آواز سنتا کون ہے؟...... (قطرہ قطرہ دریا کے مانند ہم بھی کہتے رہیں گے) آپ کے خط، کے صفحات مختصر ہوتے چلے جا رہے ہیں جبکہ سب سے زیادہ دلچسپی کا عنصر اسی میں ہوتا ہے۔ حریم خان کی پہلی انٹری خوبصورت تبصرے کے ساتھ، خوش آمدید بہن اور صدارت بھی مبارک ہو۔ ساگر بھائی کی ٹائٹل

آخری خلش

زویا اعجاز

زمین ہو یا کوئی بھی قیمتی شے، اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک ایسا بھید چھپا رکھا ہے کہ انسان نہ صرف اس کی کشش کی جانب بے اختیار کھنچتا ہے بلکہ ایسی کشمکش کا شکار بھی ہو جاتا ہے جو اسے سب کچھ پالینے کے ہیجان میں مبتلا کر دیتی ہے جیسے کہ زرکسیز... جس کے سر پر دنیا فتح کرنے کا جنون سوار ہو چلا تھا اور اس کی فطرت میں کسی بھی مقام پر انکار سننے کا حوصلہ شامل نہ رہا تھا... اور جب جب ایسا کچھ بھی ہوا تو وہ ایک ایسا بادشاہ بن گیا جس کے غیظ نے سمندروں کو بھی انوکھی سزا دے ڈالی... یونانی مہم کے اس اہم ترین موڑ پر وہ اپنی افواج کے حوصلوں کی ایک نئی بلند پروازی آزمانا چاہتا تھا... اس کے سپاہی ایک اشارے پر جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتے تھے... زمین نے اس کے قدموں تلے بچھنا شروع کر دیا تھا... وہ ایک طاقتور بادشاہ کے نام سے جانا جاتا تھا مگر... کامیابی کے اس بلند مقام پر پہنچ کر بھی اسے ایک خلش نے یوں بے چین کر ڈالا کہ یہ ساری فتوحات اسے مٹی کا ڈھیر نظر آنے لگیں اور پھر... یہی آخری خلش اسے اپنے انجام کی جانب دھکیلتی چلی گئی...

ماضی کا آئینہ باختیار اور بے اختیار انسانوں کے عبرت اثر واقعات

بلائے جان

احمد سلیم سلیمی

کچھ لوگ زندگی میں تو پریشان رہتے ہی ہیں مگر بعداز مرگ... شاید ان کی روح مزید بے چین ہوجاتی ہے کیونکہ... ان کی تشنگی ان کی پیاس کو بجھنے ہی نہیں دیتی... یہی حال ان معصوم انسانوں کا بھی تھا جو زندہ رہ کربھی خالی ہاتھ رہے اور مر کر بھی بے تاب... لیکن یہی خالی پن اب خالی گھروں اور ویرانوں کو آباد کرنے میں بڑا سرگرم تھا جس پر یقین کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہ تھا۔

ناقابل یقین حالات وواقعات کا شکار......ایک مسیحا کے دل کا احوال

پہاڑی علاقوں میں بارش اور موسم سرد ہو پھر رات کا گھرا اندھیرا بھی ہو، اس وقت ماحول بڑا ہولناک لگتا ہے۔

گلگت بلتستان کے ضلع غذر کی ایک دور دراز وادی پھنڈر اس وقت گہری تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ وادی دن کے وقت اپنے قدرتی حسن کی بہ دولت جنت نگاہ منظر پیش کرتی تھی۔ جھیل، دریا سبزہ پورے وقار سے کھڑے پاپلر کے درخت، بلند بلند پہاڑ اور پھر برف پوش چوٹیاں...... یہ سب کچھ ایک ہی منظر کا حصہ تھا جیسے کسی آرٹ گیلری میں کسی شہرہ آفاق مصور کی شاہ کار تصویر نمائش کے لیے رکھی گئی ہو۔

ڈاکٹر کمال کی گاڑی جب وادی پھنڈر پہنچی تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ نومبر کا مہینا دوسرے نصف میں تھا جبکہ بڑی دیر سے آسمان کا سینہ چھلنی کرکے چھاجوں پانی برس رہا تھا۔

اس کا سفر اس وقت پھنڈر کے مقام پر تمام نہیں ہوا تھا۔ اسی طوفانی رات کو انہیں پکی سڑک سے ہٹ کر، وادی کے

وہ جو اس کی زندگی کا دشمن تھا اور جس سے وہ دور بھاگ رہی تھی۔ بالآخر وہی اس کے آخری وقت میں اس کی مدد کرنے کے لیے تیار تھی کیونکہ ان کا آپس میں تعلق ہی ایسا تھا۔

خون کے رشتے سے فرار ہونے والے ماں اور بیٹے کا قصہ

مدد

تنویر ریاض

کھڑکی سے باہر جہاز اور زمین کے درمیان بادل ایک جادوئی قالین کی طرح نظر آ رہے تھے۔ جولی کو وہ شہر نظر نہیں آ رہا تھا جہاں وہ جلد بازی میں دوسری شادی کر کے آئی اور اسے پشیمانی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ وہ دریا بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا جس میں ڈیمن نے اسے ڈبونے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی وہ جنگل اسے نظر آ رہا تھا جہاں اس نے اپنی کار اور فون چھوڑا تھا تاکہ اس کے فرار کا کسی کو علم نہ ہو سکے۔ یہ سارے مناظر اس کی نظروں سے

بائیسواھواں حصہ

رنگ آسماں

اے۔آر۔راجپوت

ماضی کی تنگ و تاریک مگر خوابناک راہداریوں سے جنم لینے والے ایسے کردار... جنہیں واقعات و شواہد نے خود ترتیب دے کران کی زندگی کی بے قراریوں کو ایک ایسے مقصد میں ڈھال دیا جس کا ادھورا پن بے شمار ہلاکتوں کا سبب بن جاتا... لہذا اس کی تکمیل کے لیے وہ باغی فطرت انسان میدان جنگ میں یوں اترا کہ دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کردینے والے گداز احساسات کو بھی بھول گیا لیکن... عشق تو پھر عشق ہوتا ہے... کوئی کتنا ہی بھولنا چاہے، عشق اپنا مسکن کبھی نہیں بھولتا۔ جس دل میں بس جائے اسے اپنے ساتھ ہی لے کر جاتا ہے... اور پھر ایک دن اچانک اس کے من کا موسم بھی بدل گیا کیونکہ... وہ فرنگی حسینہ دلی گے اس نوجوان کو دل دے بیٹھی تھی، جس کا ہر قدم آزمائش اور ہر نظر کسی امتحان سے کم نہ تھی، اس کے باوجود... خاک و خون کے اس کھیل میں نہ تو اس نے خوابوں کو بکھرنے دیا اور نہ ہی جذبوں کو بے لگام ہونے دیا۔ کیونکہ وہ آسمان پر بکھرے رنگوں کا مطلب جان گیا تھا۔

مشرق و مغرب کے عجب امتزاج اور تاریخی جنوں خیزیوں کے عبرت اثر اشاروں میں لہراتی دلچسپ داستان

کبھی ایک نظر کا عشق کام کر جاتا ہے اور کبھی برسوں سے دل کے کسی گوشے میں دبی محبت کی چنگاری بھڑک کر الاؤ کا روپ دھار لیتی ہے... مغربی معاشرے میں محبتوں کے بھی عجب انداز ہوتے ہیں۔ کبھی لباس کی طرح ساتھی بدل دیے جاتے ہیں اور کبھی بھولے بسرے رشتوں میں دوبارہ جان ڈال دی جاتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ماجرا ان کا بھی تھا جنھوں نے ایک دوسرے کو چھوڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور چھوڑنے کے بعد دوبارہ پانے کے لیے جان کی بازی لگادی۔

تجدیدِ تعلق

شاہ زین رضوان

تجدید تعلق کی حیرت انگیز مثال قائم کرنے والے ایک مجرم جوڑے کا انجام

ڈون پیٹر وامالفی کا شاندار مکان کسی محل سے کم نہ تھا۔
اس علاقے میں جہاں زمین انچوں کے حساب سے فروخت ہوتی تھی، اس کی جائداد کا رقبہ کم از کم دو فٹ بال کے میدانوں کے برابر تھا۔ اس میں ایک درجن بیڈ روم، باسکٹ بال کورٹ جتنا ایک وسیع و عریض ہال، سوئمنگ پول، ٹینس کورٹ، گھوڑوں کے اصطبل اور گھر کے افراد کے لیے نصف میل لمبا جاگنگ ٹریک تھا۔
لیکن اس ستمبر کی صبح یہ ایک ایسے قلعے کے مانند لگ رہا تھا جو محاصرے کی حالت میں ہو۔ زمین کے چاروں طرف نصب دس فٹ اونچی باڑ پر لیزر لائٹس لگائی گئی تھیں اور باڑ کے ستونوں پر لوہے کے نکیلے کانٹے لگا دیے گئے تھے۔
مرکزی گیٹ پر تعینات تین محافظ ہر آنے والی کار کو چیک کر رہے تھے۔
ان کے علاوہ کچھ فاصلے پر مسلح محافظ بھی موجود تھے۔
ایک نشانہ باز باغ کے شیڈ میں چھپا ہوا تھا۔ دوسرا اصطبل کی چھت پر مورچا لگائے ہوئے تھا۔ یہ سب نظروں سے اوجھل

حاصل وصول

ملک صفدر حیات

یہ ضروری نہیں کہ ہر کام کی کوئی وجہ بھی ہو... بس کبھی کبھی بنا سوچے سمجھے بھی انسان کچھ کرنے کا تہیہ کرلیتا ہے جیسا کہ ملک جی نے کیا... اگرچہ جو کچھ وہ کررہے تھے وہ ان کی ذمہ داری نہیں تھی اور نہ ہی کوئی خاص وجہ... لیکن پھر اس غیر ضروری مصروفیت میں سے بہت ضروری کیس برآمد ہوگیا... گویا جس کام کا بظاہر کچھ حاصل نہ تھا بالآخر اس کا وصول بھی ہوگیا۔ کیونکہ... اس طرح تو ہوتا ہے پھر اس طرح کے کاموں میں۔

معصوم لوگوں کی معصومیت سے کھیلنے والے

شیطان کا قصہ

اگر تھانہ بہ آسانی لوگوں کی دسترس میں ہو تو تھانہ انچارج کی مصروفیت میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ نزدیکی کے باعث لوگ ایسے ایسے کیس لے کر چلے آتے ہیں کہ جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا بلکہ ایسے مسائل کو ''کیس'' کا نام دینا کیس کی توہین ہے۔ البتہ کبھی کبھار ان میں سے کوئی ڈھنگ کا کیس بھی ہاتھ لگ جاتا ہے۔ یہ بھی ایک ایسے ہی دلچسپ کیس کی روداد ہے۔

ان دنوں میری تعیناتی موضع فیض آباد کے تھانے میں تھی۔ فیض آباد کی حیثیت ایک قصبے ایسی تھی۔ یہاں پر لگ بھگ دو سو گھر آباد تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق فیض آباد کی آبادی سات سو نفوس پر مشتمل تھی۔ فیض آباد جھنگ، لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے درمیان ایک نیم پختہ سڑک کے کنارے واقع تھا۔ میرے تھانے سے مذکورہ قصبے کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ آدھا میل رہا ہوگا۔

ایک روز میں تیار ہوکر اپنے کمرے میں پہنچا تو میں نے برآمدے میں چند افراد کو محوِ انتظار بیٹھے دیکھا۔ وہ ماہِ فروری کا آغاز تھا۔ یہ جاتے ہوئے موسم بہار کے دن تھے۔ میں تشویش میں مبتلا ہوگیا کہ صبح ہی صبح فیض آباد پر ایسی کون سی افتاد ٹوٹ پڑی ہے جو یہ لوگ تھانے پہنچ گئے ہیں۔ کانسٹیبل میرے لیے پانی کا گلاس لے کر کمرے میں داخل ہوا تو میں نے استفسار کیا۔

''احمد دین! یہ لوگ کس سلسلے میں آئے ہیں۔ سب خیریت تو ہے نا؟''

''سب کا اپنا اپنا سلسلہ ہے ملک صاحب۔'' احمد

دو چہرے

علی اختر

ویسے تو اللہ نے ہر انسان کو ظاہری اور باطنی... دو روپ عطا کیے ہیں مگر بہت مشکل ہو جاتا ہے جب کوئی زیرک انسان دو کے بھی چار روپ دھار لے۔ اس کی شخصیت بھی اتنی تہ در تہ چھپی ہوئی تھی کہ اصل کہیں دور رہ گئی اور جب اسے اپنی اصل کی تلاش ہوئی تو پلٹنے پر بھی کچھ نہ ملا۔

ظلم کا مقابلہ کرنے والی ایک ظالم حسینہ کی کارفرمائیاں

انٹرنیشنل افیئرز کی ٹیچر مس مایات شمعون کے ساتھ اس کی دشمنی تو نہ تھی۔ برک بیک کالج میں اس کی شہرت بھی بے حد اچھی تھی مگر پھر بھی نہ جانے کیوں وہ اس کے خلاف کالج کی کمیٹی میں بیان دینے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ موائز بارٹلیٹ پر الزام یہ تھا کہ اس نے کالج ہی کے ایک دوسرے لڑکے رے مونڈ کے ساتھ جھگڑا کیا ہے جس سے کالج میں نقصِ امن کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا جبکہ بارٹلیٹ کا موقف تھا کہ رے مونڈ نے کالج کی نہایت شریف لڑکی شیلا اسمتھ سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ اس نے اسے روکنا چاہا تو دونوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ رے مونڈ کی شہرت کالج میں پہلے سے ہی ٹھیک نہ تھی۔ اس سے کالج کے لڑکے لڑکیاں تو کیا، ٹیچرز تک خوف زدہ تھے۔ ساڑھے پانچ چھ فٹ کا مضبوط جسم کا مالک جس کے چہرے کی دائیں جانب لڑائی کے دوران لگا ہوا لمبے چاقو کا زخم...... جواب بھر تو چکا

سیر کو سوا سیر

نادیہ نور

نا انصافی اور بغاوت انسان کو ہمیشہ اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کرنے پر اکساتی ہے۔ وہ بھی ایک ایسا ہی ماہر کاریگر تھا جسے اپنے کام پر ناز تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے تجوری کا مشکل لاک کھلوانے کے لیے ہائر کیا گیا تھا اور جسے شاید تر نوالہ سمجھ کر نگلنے کی کوشش بھی کی گئی لیکن... افسوس انہیں کیا خبر تھی کہ یہی نوالہ ان کے گلے کی ہڈی بن جائے گا۔

پولیس اور سراغ رسانوں کو حیران کرنے والے ایک ہنر مند کی دلیری

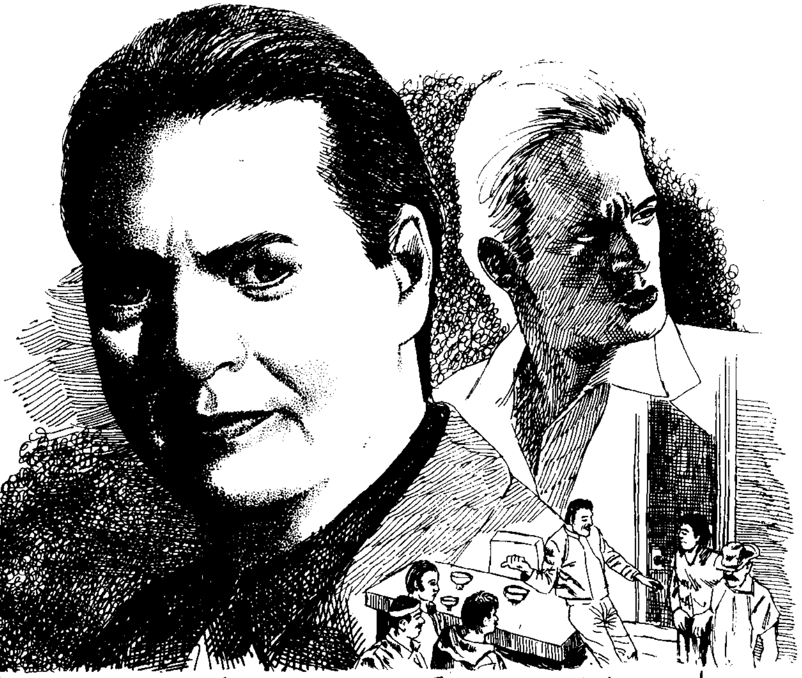

مارول آج بہت تھک گیا تھا، اس کا کام ہی کچھ ایسا تھا۔ بڑے بڑے فولادی ٹکڑوں کو کرین سے اٹھا کر ایک دوسرے سے جوڑنا اور آڑے ترچھے کھڑے ہو کر انہیں ویلڈ کرنا اور اسے اس کام میں خاص مہارت حاصل تھی جس کا وہ معقول معاوضہ بھی لیتا تھا۔ کارخانے میں موجود اِکّا دُکّا افراد گھر جانے کی عجلت میں تھے۔ تکان کے باوجود مارول ہشاش بشاش تھا کیونکہ آج اس نے ماں سے فرمائش کر کے اپنی پسند کا کھانا تیار کروایا تھا۔ وہ سرعت سے فولادی زینے

محفلِ شعروسخن

❄ محمد شہباز اکرم نوئی.....ڈھپئی، پاکپتن شریف

اب وہ کتنی اور سے کہتے ہوں گے
تم سے بچھڑیں گے تو مر جائیں گے

❄ جاوید اختر رانا.....حیدرآباد

سارا شہر شناسائی کا دعویدار تو ہے لیکن
کون ہمارا اپنا ہے وقت ملا تو سوچیں گے
موسم خوشبو بادصبا چاند شفق اور تاروں میں
کون تمہارے جیسا ہے وقت ملا تو سوچیں گے

❄ ریاض بٹ.....حسن ابدال

یہ اور بات کہ اسے تھپک کر سلا دیا جائے
ورنہ ہر انسان کے اندر ضمیر ہوتا ہے

❄ محمد حسان گل سیال.....روہڑی، ضلع سکھر

دوست بھی راہ کی دیوار سمجھتے ہیں مجھے
میں سمجھتا تھا میرے یار سمجھتے ہیں مجھے
میں بدلتے ہوئے حالات میں ڈھل جاتا ہوں
دیکھنے والے اداکار سمجھتے ہیں مجھے

❄ جنید احمد ملک.....گلستان جوہر، کراچی

آؤ ہم سب مل کے طاہر جنگلوں میں جا بسیں
شہر میں کوئی کسی کو رستہ نہیں دیتا

❄ آمنہ فیصل.....سکھر

کھڑکیاں جاگتی آنکھوں کی کھلی رہنے دو
چاند کو دل میں اترنا ہے اسی زینے سے

❄ جواد علی.....ملتان

رسوائیوں کا آپ کو آیا ہے اب خیال
ہم نے تو اپنے دوست بھی دشمن بنا لیے

❄ وسیم احمد.....ضلع خانیوال

رقابتوں کے شہر میں عداوتوں کا دور ہے
دھواں دھواں ہوئے بدن قیامتوں کا دور ہے
ہے ابر کیوں تنا ہوا کہ بستیاں تو بہہ چکیں
کہ گر چکی ہیں بجلیاں، یہ ہجرتوں کا دور ہے

❄ امبرین علی.....حیدرآباد

کلیاں جھلس گئی ہیں جل گئے ہیں پھول
چلتی ہے یوں بھی باد و باراں کبھی کبھی

❄ وزیر محمد خان.....بٹل ہزارہ

میرے جلتے مکاں کو کیا معلوم
میرے اپنے چراغ مجرم ہیں

❄ آصف احمد.....سرگودھا

کہاں تو ڈھونڈنے آیا گلِ اخلاص کی خوشبو
یہاں تو بغض اگتا ہے محبت کی زمینوں میں

❄ ناہید یوسف.....اسلام آباد

انسانوں کی بستی میں کچھ ایسے ہیں دیوانے لوگ
اللہ کے نائب بن بیٹھے پر انساں کو نہ جانے لوگ
ہر اک چہرہ پڑھتے جائیں، ہر اک دامن چاک کریں
ہر اک جوہر ڈھونڈ کے لائیں، خود کو نہ پہچانے لوگ

دشمن دوست

اعتزاز سلیم وصلی

کچھ دوست آستین میں کنڈلی مارے سانپ کے مانند بیٹھے ہوتے ہیں اور اس معصوم شکار کو اپنے جال سے نکلنے بھی نہیں دیتے لیکن ... یہ تو قدرت کا نظام ہے کہ سیر کا مقابلہ کسی نہ کسی سوا سیر سے ہو ہی جاتا ہے... وہ جو سیر تھا ایک کارآمد ترکیب نے اسے سوا سیر بنا دیا تھا۔

دشمن کے ہاتھوں کھلونا بن جانے والے دوست کا جارحانہ انداز

کیتھرین کو آرتھر سے ملوانا میری زندگی کی دوسری بڑی غلطی تھی۔ اب آپ لوگ ضرور سوچیں گے کہ میری زندگی کی پہلی بڑی غلطی کیا تھی...... تو وہ بھی بتا دیتا ہوں۔ میری زندگی کی پہلی بڑی غلطی آرتھر سے دوستی کرنا تھی۔ ان دنوں میں نے جوانی کی [illegible] قدم رکھا ہی تھا۔ ہر جوان ہونے والے لڑکے [illegible] میں بھی آنے والے وقت سے بے خبر، زندگی سے لطف اندوز ہونے میں معروف تھا جب ہمارے [illegible] آرتھر کی آمد

آنکھوں کے چراغ

ڈاکٹر شیر شاہ سید

بعض چہرے اللہ تعالیٰ ایسے بناتا ہے کہ کوئی بھی تعلق نہ ہونے کے باوجود اپنے اتنے قریب محسوس ہوتے ہیں جیسے برسوں کا ساتھ رہا ہو مگر... پل دو پل کی یہ آشنائی کبھی کبھی زندگی بھر کا روگ بن جاتی ہے اور یہی روگ اس کے زندگی کا بھی حاصل تھا۔

دلکش آنکھوں میں بسی محرومیوں کا قصہ

میں نے اسے اوکو پائنڈ کی دھرنا تحریک میں دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ کچھ تھا اس میں۔ وہ سرخ وسفید تھی مگر انگریزوں کی طرح کی سرخی وسفیدی نہیں تھی اس میں۔ کالی سیاہ بھرپور چمکتی ہوئی آنکھیں جن کے اوپر قدرتی طور پر خم کھائی ہوئی بھویں تھیں جنہوں نے اس کے چہرے پر عجیب سی کشش قائم کردی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں آج تک اتنی خوبصورت ناک نہیں دیکھی جس کے نیچے بھرے بھرے لب تھے، شفاف چوڑی پیشانی اور دمکتے ہوئے رخسار جو گھنے سیاہ چمکدار بالوں کی چھاؤں میں تمتمار ہے تھے۔ اس نے سیاہ لانبی قمیص اور بہت زیادہ استعمال کی گئی جینز پہنی ہوئی تھی، گلے میں سرخ مفلر تھا۔ شاید چہرے کی تمتماہٹ سرخ مفلر سے منعکس ہونے والی سرخ روشنی کی وجہ سے تھی۔ اس کی طرف نظر بار بار اٹھ اٹھ جاتی تھی۔

وہ بڑے زور وشور کے ساتھ تقریر کر رہی تھی۔ ''ہم لوگ ننانوے فیصد ہیں، ننانوے فیصد اور ایک فیصد لوگوں نے اپنے بینکوں، مالیاتی اداروں، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور ان اداروں کے منتظمین کے ساتھ مل کر دنیا پر قبضہ کرلیا ہے۔ یہ کیسا نظام ہے جس میں ایک فیصد لوگ مسلسل ترقی کر رہے ہیں، آگے بڑھ رہے ہیں، ان کے خاندان ان کی نسلیں ہر چیز پر قابض ہیں۔ زمینوں میں موجود ذخائر پر، پہاڑوں میں چھپی ہوئی معدنیات

قسط نمبر: 29

وقت

حسام بٹ

موت کے کنویں میں بھی وقت جس کا ہم رکاب تھا۔ ایک ایسے پرعزم بازی گر کی بازی گری ...... سنسنی خیز واقعات پر مشتمل ایک دلربا طویل داستان

وقت بادشاہ اور کائنات کی ہر شے اس کی رعایا ہے لیکن ... اس کی نہ کوئی شکل اور نہ ہی وجود ہے۔ اس کے باوجود یہی وقت روپ بدل بدل کر سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ جس کی گردش انسان کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ایک ہی پل میں کسی کو بادشاہت سے نوازتا ہے اور کسی کو زمین کی خاک چاٹنے پر مجبور کردیتا ہے۔ کبھی دن اور رات میں ڈھل کر عمر رواں کا نام پاتا ہے اور موسم کی طرح گزر جاتا ہے۔ کبھی مہربان اور مخلص دوست بن جاتا ہے اور کبھی سفاک دشمن کا کردار ادا کرتا ہے۔ کبھی محبت بن کر ہونٹوں پر ہنسی بکھیرتا ہے اور کبھی درد کی صورت آنسو بن کر دلوں میں گھاؤ ڈال دیتا ہے۔ چونکہ یہ کسی کا غلام نہیں اسی لیے کسی کی پروا بھی نہیں کرتا لیکن ... اتنا سنگدل ہے جو اس کی پروا نہیں کرتا اسے ایسی مار مارتا ہے کہ پینے کو دو بوند پانی تک نہیں ملتا اور اتنا بے ایمان بھی ہے کہ جس پر اپنی مرضی سے مہربان ہوجائے اس کے لڑکھڑاتے قدموں سے بھی قدم ملا کر عروج عطا کرتا ہے مگر شرارت سے پلٹ کر ان کی طرف بھی دیکھتا ہے جنہیں وہ بیچ بھنور میں تنہا چھوڑ آتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسے ہی مہربان لمحے کا اسیر تھا... جسے یہ تک خبر نہ تھی کہ وہ کون ہے اور کس خاندان سے وابستہ ہے۔ جس کی اپنی کوئی شناخت نہ تھی' اس کے باوجود اس کی داستان حیات میں چاہنے والوں کی کمی نہ تھی۔ دو مختلف معاشروں اور تہذیبوں کا حسین امتزاج... ایک ایسا سلسلہ جو برسوں یاد رہے گا۔

کاش

احمد جعفری

کسی نے سچ کہا ہے کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں... وہ بھی جس آزاد معاشرے میں رہتی تھی اس کی آرزو نوجوان نسل کو بہت ہوتی ہے لیکن وہ خود کو یہاں مس فٹ سمجھتی تھی اور اس کا ذمے دار وہ اپنے والدین کو سمجھتی تھی مگر... اب تو جو بھی تھا وہی اس کا مقدر تھا اور بدقسمتی سے اس کا مقدر ہی اسے لے ڈوبا تھا۔

آزاد معاشرے میں قید ہو جانے والی من موہنی حسینہ انجام

یروشلم سے دس میل مشرق کی طرف تقریباً پانچ سو فٹ بلند پہاڑی پر بنا یہ مکان اپنی مثال آپ تھا۔ مکان کیا چھوٹا موٹا قلعہ تھا۔ مین ہائی وے سے نکل کر ایک سڑک جگہ جگہ موڑ کاٹتی ہوئی مکان کی طرف جاتی تھی۔ چوٹی پر مکان کے سامنے ہموار میدان میں بہت وسیع پارکنگ تھی جس میں چھوٹی بڑی درجنوں گاڑیاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔ اونچائی پر جاتے ہوئے سڑک کنارے جہاں کہیں ہموار زمین تھی وہاں زیتون اور چیری کے درخت تھے۔ جب چیری کے پھول کھلتے تھے تو ان کی مسحور کن خوشبو چہار جانب پھیل جاتی تھی۔

شام رات میں ڈھلنے والی تھی۔ وسیع بالکونی میں مکان کا مالک سائمن ایک صوفے پر بیٹھا، ہوانا سگار کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے گہری سوچ اور پریشانی عیاں تھی۔

سائمن یہودی کمیونٹی میں کافی سینئر پوزیشن کا حامل

فن کار

اسد اللہ امجد

اس دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک دماغ اپنی کارکردگی دکھا رہا ہے۔ وہ اگرچہ صنف نازک تھی مگر اپنی نزاکت میں ایک ایسا کام کرگئی کہ بڑے بڑے مجرم منہ دیکھتے رہ گئے۔

آنکھوں میں مرچ جھونکنے کا دلچسپ قصہ

زرق برق لباس زیب تن کیے ایک خاتون جیولری شاپ میں داخل ہوئی۔ ''جی میڈم! میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟'' ایک ورکر نے آگے بڑھ کر اپنی خدمت انجام دیتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی بیٹھنے کے لیے نشست گاہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خاتون بڑی ادا سے آگے بڑھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اپنے منیجر کو بلاؤ۔ میں یہاں اکثر آتی رہتی ہوں۔ وہ مجھے بہت اچھے سے جانتے ہیں۔ میں انہی سے بات کروں گی۔'' خاتون نے ورکر سے کہا تو وہ مؤدبانہ انداز میں سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے ایک اندرونی کیبن کی طرف لپکا۔

یہ جیولری شاپ شہر کی ایک معروف ترین جیولری شاپ تھی جہاں ملک کے بہترین اور عمدہ فن پارے موجود تھے۔ ایک عام آدمی یہاں آنا تو کجا یہاں آنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ایک پُروقار شخص نفیس لباس پہنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے نمودار ہوا۔ ''مسز ہمدانی! آپ کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی لیکن یہ کیا آپ آج پھر ہمیشہ کی طرح تنہا ہی آئی ہیں۔ ہمدانی صاحب ہمراہ نہیں آئے؟ ہمارا تو ان سے ملنے کا شوق آج بھی ادھورا ہی رہ گیا۔'' منیجر نے چہرے پہ مصنوعی خفگی سجاتے ہوئے شکوہ کیا جواب میں مسز ہمدانی بس مسکرا کر رہ گئیں اور ہر دفعہ کی طرح وہی جواب دیا۔

''آپ کو تو معلوم ہے جواد صاحب! میرے خاوند اس شہر کے بہترین ماہر نفسیات ہیں۔ ان کے پاس اتنی فرصت کہاں جو وہ اپنا کلینک چھوڑ کر بیوی کو شاپنگ کرواتے پھریں۔'' مسز ہمدانی کے لہجے میں چھپا شکوہ منیجر نے بھی محسوس کیا تبھی بات کا رخ دوسری

مات

عبدل جی

سائنس کی ترقی ہو یا تہذیب و تمدن کی... اردگرد تو انقلاب آجاتا ہے مگر انسان اپنی فطرت کبھی نہیں بدل سکتا۔ زیر نظر تحریر بھی اپنی نوعیت کی عجیب خبر لائی ہے۔ ایک آپریشن کے ذریعے وہ جو سر سے لے کر پیر تک بدل کر رہ گیا تھا لیکن... فقط اس کی فطرت تھی جس میں کوئی تبدیلی نہیں آسکی... کیونکہ یہی قدرت کی خوبی ہے۔

ایک نئی سوچ کو ابھارنے اور چونکا دینے والے

موضوع کا دلچسپ احاطہ

حبیب ان دنوں نیورو سرجری کی ڈگری لے کر امریکا سے نیا نیا واپس آیا تھا۔ پیسے کی ریل پیل تھی۔ مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ تھا اس لیے اسے پریکٹس سے زیادہ، اپنی فیلڈ سے متعلق ہونے والی نت نئی تبدیلیوں کے بارے میں جاننے کا شوق رہتا تھا۔ وہ جب جب نیورو سرجری کے متعلق کوئی آرٹیکل پڑھ رہا ہوتا، اتنا کھو جاتا کہ پاس پڑی چائے بھی ٹھنڈی ہو جاتی۔ نسیم کو اپنے شوہر کی اس عادت پر غصہ تو بہت آتا تھا مگر وہ چپ کر جاتی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ نیورو

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

رضوانہ ساجد

اسلام کا ابتدائی دور جس طرح مشکل آزمائشوں سے بھرپور تھا اسی طرح اس دور کے انسانوں کا مرتبہ بھی ان کے حوصلوں کی طرح بلند تھا... آج کے دور میں بھی ہمارے لیے صحابہ کرام کی زندگی مشعل راہ ہے۔ انہی میں حضرت ایوب انصاری کا شمار ہوتا ہے جنہوں نے آپؐ کا ساتھ مشکل ترین وقت میں بھی نہ چھوڑا۔

اللہ کے نبی کو مہمان بنانے والے ایک مہربان ان[illegible] کا قصہ

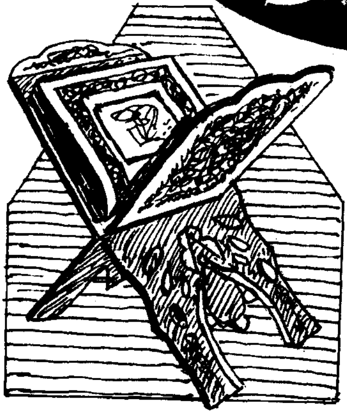

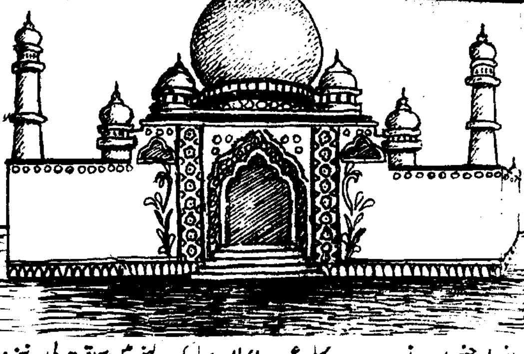

”وہ مہاجر اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت لی۔ نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔“ (سورۃ توبہ)

خالد بن زید اپنے قبیلے میں اپنی کنیت ابوایوب کے نام سے مشہور تھے۔ اصل نام کنیت کے پردے میں کہیں چھپ گیا تھا۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ کے میزبان ”انصار“ کے لقب سے فیضیاب

اعتبار

ناہید سلطانہ اختر

دوسروں کو بے اعتبار سمجھنے والے اکثر لوگ... زندگی میں تنہا رہ جاتے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی مسائل کا شکار تھی جسے خود پر بہت گھمنڈ تھا اور جو اپنے آگے ہر ایک کو جھوٹا اور مطلبی سمجھتی تھی مگر یہ بھول گئی تھی کہ کبھی کبھی مطلب برآری کا عمل یکطرفہ نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کا بھی کچھ بھلا پوشیدہ ہوتا ہے... بہرحال دل چاہے یا نہ چاہے کسی نہ کسی پر تو ایک بار اعتبار کرنا ہی پڑتا ہے۔

صحیح وقت پر غلط فیصلہ کرنے والوں کا

سبق آموز انجام

مدتوں بعد آج اچانک ہی ناصر حسن اور صادقہ کا خیال آ گیا اور اگلے ہی لمحے نزہت کی یاد ذہن میں در آئی۔ ناصر حسن میرا کولیگ تھا۔ صادقہ محکمے کے اس ذیلی ادارے کی ملازم جہاں سے .... ناصر ہمارے دفتر میں تبادلہ ہو کر آیا تھا۔ نزہت بھی ہمارے دفتر میں ملازم تھی مگر دوسرے شعبے سے وابستہ۔

ناصر آفس اسسٹنٹ تھا۔ جن دنوں وہ تبادلہ ہو کر ہمارے دفتر میں آیا، شادی شدہ اور تین چار بچوں کا باپ تھا۔

پسِ پردہ

طاہر جاوید مغل

مختلف مزاج اور الگ الگ خاندانوں کا ملاپ اکثر و بیشتر مشکل ہو جاتا ہے چہ جائیکہ دو مختلف معاشروں میں رہنے والے لوگوں کے سنگم... جن میں زبان و بیان، رہن سہن اور مذہب جیسا فرق... جسے قبول کرنے کے لیے انسان کو دل بہت بڑا کرنا پڑتا ہے اور جناب دل کی بھی خوب رہی جب کسی پر آجائے تو سماج کی کوئی بھی دیوار ہو ثابت قدمی سے ڈٹ جانے والوں کے آگے ریت کی بھربھری دیوار بن کر گر بھی جاتی ہے مگر... یہاں مغربی ماحول میں گلابی جاڑوں کی طرح گلابی اردو بولنے والی اس دوشیزہ نے ایک پاکستانی نوجوان کو اس طرح فرینکفرٹ کی فضائوں کا اسیر کر ڈالا کہ پھر دنیا کے کسی گوشے میں اسے سکون نہ ملا... سکون ملتا بھی تو کیسے کہ وہ تو اپنوں کے پیار بھرے انتقام میں ایسے گِھرا ہوا تھا کہ اسے ذرا بھی کسی کی نیت پر شک نہ ہوا... لیکن محبت ہو یا نفرت لاکھ چھپائے نہیں چھپتی، پھر ان نفرتوں اور محبتوں کی حقیقت کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔ لہٰذا پس پردہ ہونے والی سازشوں کا بالآخر ایک دن پردہ چاک ہوا اور چاہت کے مدھر جذبوں نے خود کو منوا لیا۔

انجانی نفرتوں میں پناہ تلاش کرنے والے اس جوڑے
کی کتھا جو...... اپنوں کے اصل روپ سے بے خبر تھا